OPEN ACCESS
AL-EHSAN
ISSN(E) 2788-4058
ISSN(P) 2410-1834
www.alehsan.gcuf.edu.pk
PP: 19-32

"بصیرۃ فی الرضا" اور علامہ فیروز آبادیؒ کا منہج استدلال

"Baṣīirah fī al-Riḍā" and 'Allāma Fairūzābādī's Method of Inference

Dr.Muhammad Farooq Haider

Associate Professor of Islamic Studies, GC University, Lahore.

Dr.Sadia Tahseen

Assistant Professor of Islamic Studies, Garrision University, Lahore.

Abstract

Baṣā'ir dhawī al-Tamyīz fī Laṭā'if al-Kitāb al-'Azīz is a unique book of the Qur'ānic Sciences in which 'Allāma Fairūzābādī adopted an exceptional approach, different from the previous books on the subject. An important topic of the aforementioned book is Homonyms of the Qur'ānic words in which 'Allāma Fairūzābādī stated the words alphabetically under the title of Baṣīirah. One of the words enlisted is al-Riḍā, explained under the title of "Baṣīirah fī al-Riḍā". Along with the literal and terminological explication of the word al-Riḍā, sixteen synonyms from the Qur'ān have been quoted as well. Sufistic explanation of the word al-Riḍā is a distinctive and prominent feature of the discussion in which esoteric meanings of the term have been narrated in the light of Sufis' maxims. Dissented maxims have been quoted with respect to being admirable or mandatory. There is a detailed discussion regarding its stages, principles, reality, content and forms. During the discussion, such a precious and golden maxims have been narrated, which are practical lessons of our lives. In this article, a specific approach of 'Allāma Fairūzābādī has been highlighted which has been adopted by him as a whole in discussing the word al-Riḍā.

Keywords: Al-Riḍā, Fairūzābādī, Baṣā'ir, Sufis' maxims, Inferences.

مجد الدین فیروز آبادیؒ کا شمار نویں صدی ہجری کے جید علماء میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ خوبیوں سے نوازا۔ ذوقِ علمی، دین کے لیے دل سوزی و فکر مندی اور دنیاوی خواہشات میں عدم

دلچسپی جیسی صفات نے آپ کو عظیم علماء کی صف میں لا کھڑا کیا۔ آپ نے اپنی تصانیف اور دینی خدمات کے ذریعے لوگوں کی اصلاح و ہدایت اور تعلیم و تربیت کا غیر معمولی اہتمام کیا۔ آپ ادب و لغت کے آئمہ میں سے تھے۔ کافی عرصہ منصب قضاء پر بھی فائز رہے۔ آپ عالم لغوی، ادیب، مفسر، قاضی وفقیہ کی حیثیت سے اپنے دور کے علماء کرام میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ بہترین اخلاقی اوصاف اور اعلیٰ محاسنِ سیرت سے متصف آپ کی شخصیت میں ایسی جاذبیت تھی کہ آپ کی مجالس میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شرکت کرتے تھے۔

آپ کا نام محمد بن یعقوب بن ابراہیم بن عمر، کنیت ابو طاہر ہے۔ آپ کی کئی نسبتیں ہیں جن میں الکازرینی، الفیروز آبادی، الشیرازی قابل ذکر ہیں۔۷۲۹ھ میں شیراز کے قریب کازرون میں پیدا ہوئے۔ کازرون آپ کی جائے پیدائش ہے، فیروز آباد آپ کا شہر ہے۔ آپ کی یہ خواہش تھی کہ آپ کی وفات مکہ مکرمہ میں ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کچھ اور تھی چنانچہ آپ کا انتقال یمن کے شہر زبید میں ہوا۔ جہاں آپ نے ۸۱۷ھ میں وفات پائی۔ (1)

بصیرۃ فی الرضا

علامہ فیروز آبادیؒ نے اپنی معروف کتاب "بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز" میں علوم قرآنیہ کی جن مختلف جہات کو موضوع بحث بنایا ان میں سے ایک قرآن مجید کے الفاظ کی لغوی اور اصطلاحی وضاحت کے ساتھ اس کی متعدد وجوہ اور دیگر معنوی محاسن کا بیان ہے۔

علامہ نے جن مختلف الفاظِ قرآنیہ کی بصیرت میں جہاں جہاں لغوی تحقیقات اور اُن الفاظ کی متعدد وجوہ کو تفصیلاً بیان کیا وہاں بعض الفاظ ایسے ہیں جن کے بیان میں عمومی اسلوب سے ہٹ کر آپ نے نادر صوفیانہ نکات شامل بحث کیے ان الفاظ میں رضاء، روح اور صبر وغیرہ شامل ہیں۔ "بصیرۃ فی الرضا" کے تحت علامہ موصوف نے اس لفظ کے وہ خاص استعمالات اور جن احوال کا یہ لفظ متحمل ہے، کو تفصیلاً بیان کیا۔ اہل سلوک کے اقوال کے تناظر میں اصطلاح رضا کے باطنی اسرار و رموز پر خوب روشنی ڈالی۔ یہاں لفظ رضا کی مختصر لغوی و اصطلاحی وضاحت اور قرآن مجید میں مذکورہ لفظ کے مختلف استعمالات کے بعد اس اصطلاح کی صوفیانہ تعبیرات میں علامہ کے منہج استدلال کو بیان کیا گیا ہے۔

رضا سے مراد اللہ کی خوشنودی اور مرضی ہے لہٰذا اس معنی میں یہ لفظ "سخط" یعنی ناراضگی کا متضاد ہے۔ علامہ نے بحث کا آغاز لفظ کی اس توضیح سے کیا ہے:

رَضِيَ الله عنه، ورضى عليه، يَرْضى رِضًا ورِضْوانًا ورُضًا

ورُضْواناً ومَرْضاة: ضد سَخِط، فهو راضٍ من رُضاةٍ، و [ورَضِيٌّ] من أَرضياء ورُّضاة، ورَضٍ من رَضِين[2]

اس لفظ کی معنویت کو مزید کھول کر یوں بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اوامر و نواہی کے آگے سر تسلیم خم کر دینا ہی رضا ہے آپ نے اس امر کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

ورِضا العبدِ عن الله تعالى ألاَّ يكره ما يجرى به قضاؤُه. ورضا الله تعالى عن العبد أن يراه مؤتمرًا لأمر منتهيًا عن نهيه. والرّضوان: الرّضا الكبير. ولما كان أعظم الرضا رضا اللهِ تعالى خُصّ لفظ الرِّضوان فى القرآن بما كان من الله تعالى[3]

بندے کا اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے فیصلے میں کسی بھی ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرے جبکہ اللہ کا انسان سے راضی ہونا یہ ہے کہ وہ بندے کو اپنے امر کی بجا آوری میں اور نواہی سے مانع دیکھے۔ جہاں تک تعلق ہے لفظ رضوان کا اس کا معنی بہت بڑی رضا (رضا کبیر) ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سب سے بڑی رضا ہے اس لیے قرآنی لفظ رضوان رضائے الٰہی کے ساتھ خاص ہے۔

لفظ رضا کے لغوی و اصطلاحی مفاہیم بیان کرنے کے بعد علامہ نے قرآن مجید سے لفظ رضا کے استعمالات کے حق میں (۱۶) قرآنی نظائر بیان کیے جن میں سے بطور مثال پانچ درج ذیل ہیں:

ا۔ (اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ)۔[4]

جب وہ آپس میں جائز طریقے کے ساتھ راضی ہو جائیں۔

۲۔ (وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ)۔[5]

اور اگر شکر کرو گے تو وہ تم سے راضی ہو گا۔

۳۔ (اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ)۔[6]

ہاں جس پیغمبر کو پسند (راضی) فرمائے۔

۴۔ (مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْضٰى)۔[7]

اس وقت کہ خدا جس کے لیے چاہیے راضی ہو جائے۔

۵۔ (وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا)۔[8]

اور اپنے پروردگار کے ہاں پسندیدہ (وبرگزیدہ) تھے۔

قرآنی اصطلاح رضا کی صوفیانہ تعبیرات

لفظ رضا چونکہ ایک ہی معنی میں قرآن مجید میں مستعمل ہے اس لیے علامہ فیروز آبادی کے علاوہ دیگر ماہرین وجوہ و نظائر جیسے مقاتل نے اپنی کتاب "الوجوہ والنظائر فی القرآن الکریم" میں، دامغانی نے اپنی کتاب "الوجوہ والنظائر لالفاظ کتاب للہ العزیز" اور ابن جوزی نے اپنی تالیف "نزھۃ الاعین النواظر فی علم الوجوہ والنظائر" میں اس لفظ کو شامل بحث نہیں کیا۔ بصائر ذوی التمییز میں اس لفظ کے شمول کی بنیادی وجہ یہی محسوس ہوتی ہے کہ آپ نے اس لفظ کو اس کی باطنی وضاحت یا اس کے اسرار و رموز کے بیان کے لیے موضوع تحقیق بنایا ہے۔

رضا مستحب ہے یا واجب

علامہ نے رضا کے استحباب و وجوب کو موضوع بحث بناتے ہوئے لکھا ہے:

واعلم أَنَّ العلماء قد أَجمعوا على أَنَّ الرِّضا مستَحبٌّ، مؤَكد استحبابُه. واختلفوا فى وجوبه على قولين. والأَكثر على تأَكُّد استحبابه، فإِنه لم يرد الأَمر به كما ورد فى الصبر، وإِنَّمَا جاءَ [الثناءُ] على أَصحابه. وأَمَّا ما يروى من الأَثَر: "من لم يرض بقضائى، ولم يصبر على بلائي، فلْيتَّخذ ربًّا سِوَاىَ" فهذا أَثر إِسرائيليٌّ لم يصحّ عن النبى صلَّى الله عليه وسلَّم، ولا سيّما عند من يَرَى أَنَّه من جملة الأَحوال الَّتى ليست مكتسبة، وأَنه موهِبة محضة. فكيف يؤمر به وليس مقدورًا! (9)

جان لیجئے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رضا مستحب ہے اور اس کے استحباب کی تاکید ہے۔ جبکہ اس کے وجوب میں دو اقوال پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر نے اس کے استحباب کی تاکید کی ہے کیونکہ رضا کی تاکید میں کوئی حکم وارد نہی ہوا جیسا کہ صبر کی تاکید میں ہوا، اگرچہ اہل رضا کی تعریف بیان ہوئی ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں منقول ہے (جو میرے فیصلے پر راضی نہ ہوا اور جس نے آزمائش پر صبر نہ کیا تو اسے چاہیے کہ وہ میرے سوا کسی اور کو رب بنالے) یہ اسرائیلی روایت ہے اور صحیح نہیں ہے اور خاص طور پر وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں رضا حال کی کیفیت ہے نہ کہ اکتسابی جو کہ محض اللہ کی طرف سے ودیعت یعنی عطا ہے لہذا ایسی صورت میں رضا کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے جبکہ وہ انسانی قدرت سے باہر ہے۔

علامہ فیروز آبادیؒ نے رضا کے حوالے سے اہل سلوک کا اختلاف نقل کیا ہے:

وهذه مسأَلة اختلف فيها السّالكون على طرق ثلاث

فقال شيوخ خُراسان: إِنَّه من جملة المقامات وهو نهاية التوكل،

وقال آخرون:هو من جملة الأَحوال، يعنى هذا لا يمكن أَن يتوصّلَ إِليه العبدُ، بل هو نازلة تحُلُّ بالقلب كسائر الأَحوال. والفرق بين المقامات والأَحوال، أَن المقامات عندهم من المكاسب، والأَحوال مجرّد المواهب.

وحكمت فرقة ثالثة بين الطّائفتين، منهم الشيخ القدوة صاحب الرّسالة وغيره. فقالوا: يمكن الجمع بينهما بأَن يقال: مبدأُ الرّضا مكتسَب للعبد فهو من جملة المقامات، ونهايته من جملة الأَحوال، فليست مكتسبة. واحتج شيوخ خراسان ومن قال بقولهم بأَنَّ الله تعالى مَدَح أَهله وأَثنى عليهم ونَدَبهم إِليه، فدلَّ على أَنَّه مقدور لهم[10]

یہ وہ مسئلہ ہے جس میں اہل سلوک کے مابین تین طرح سے اختلاف ہے: خراسان کے شیوخ کے نزدیک یہ ان جملہ مقامات میں سے ہے جو توکل کی انتہا ہے۔ جبکہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ اس کا تعلق احوال سے ہے یعنی یہ ممکن نہیں کہ انسان اپنی محنت سے اس تک پہنچ جائے۔ بلکہ یہ ایک کیفیت ہے جو دوسرے احوال کی طرح بندے کے دل پر نازل ہوتی ہے۔ مقامات اور احوال میں فرق یہ ہے کہ ان کے نزدیک مقامات اکتسابی ہیں اور احوال وھبی ہیں۔ ان دو گروہوں کے درمیان تیسرے گروہ کا فیصلہ ہے، جن سے تعلق رکھنے والے کتاب الرسالہ کے مؤلف (شیخ قشیری) اور ان کے علاوہ کا قول ہے کہ مذکورہ بالا دونوں اقوال کے مابین جمع ممکن ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ رضا کی ابتداء مقامات میں سے ایک مقام ہے اور بندہ اس تک اپنی محنت سے پہنچ سکتا ہے، اور اس کی انتہا احوال میں سے ایک حال ہے اور یہ اپنی محنت سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ شیوخ خراسان اور ان کے ہم مشرب علماء نے اس بات کو دلیل بنایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل رضا کی مدح و تعریف بیان کی اور ان کو اس کے حصول پر آمادہ کیا تو یہ ان کی قدرت میں ہونے پر دلالت ہے۔

علامہ فیروز آبادی نے رضا کی تحقیق میں دیگر کئی حکیمانہ باتیں نقل کی ہیں جو آپ کی صوفیانہ بصیرت کی عکاسی کرتی ہیں۔ علامہ فیروز آبادیؒ کی یہ خصوصیت ان کو دیگر لغویین سے ممتاز کرتی ہے۔

رضا کے مدارج

علامہ نے ایک معروف حدیث کو اساس بنا کر اس کے تحت رضا کے مدارج بیان کیے ہیں:

((ذاق طعم الايمان من رضى بالله رباً و بالاسلام ديناً و بمحمد رسولاً))[11]

اس حدیث کی وضاحت میں "رضا" کی وضاحت یوں کی ہے فرماتے ہیں:

اس حدیث پر مقامات دین کا مدار ہے:

۱۔ رضا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کی الوھیت کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

۲۔ رضا اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت کے ساتھ ہے۔

۳۔ رضا اللہ تعالیٰ کے دین پر راضی رہتے ہوئے اسے بجالانے میں ہے۔

جس میں یہ مذکورہ امور جمع ہو گئے اصل میں وہی صدیق کہلانے کا حق دار ہے۔ یہ دعویٰ کرنا اور زبان سے کہنا تو آسان ہے لیکن حقیقت اور آزمائش کے وقت مشکل امور میں سے ہے۔ (12)

علامہ فیروز آبادیؒ نے رضا کے مذکورہ بالا درجات کو مزید کھول کر بیان کیا خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی الوھیت و ربوبیت کے ساتھ رضا کے تعلق کو واضح کیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے رسول و نبی ﷺ کے ساتھ رضا کا تعلق کیا ہے، کو بیان کیا۔ یہاں اسی ترتیب سے علامہ کی توضیحات درج ذیل ہیں۔

i۔ الوہیت کے ساتھ رضا

علامہ کے نزدیک: الوھیت کے ساتھ رضا، سے مراد ہے کہ تن تنہا اللہ تعالیٰ سے محبت اور اُسی کا خوف اور اسی سے امید اور اسی کی طرف رجوع، اس کی طرف یکسو ہو جانا اپنے تمام ارادوں اور محبت کو اللہ ہی کے لیے مختص کر دینا۔ کیونکہ اپنے محبوب سے راضی ہو جانا ہی کل رضا ہے اور یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ساتھ اخلاص کی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔ (13)

ii۔ ربوبیت کے ساتھ رضا

ربوبیت کے ساتھ رضا کا الحاق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ وہ رضا ہے جس میں انسان اپنے لیے کی جانے والی اللہ کی ہر تدبیر پر راضی ہو جائے۔ اور ایسا تب ہوتا ہے جب انسان خود کو خاص کر لے اللہ پر توکل، اس کی استطاعت اور اس پر یقین اور اعتماد کے حوالے سے۔ یعنی وہ اللہ کے ہر فعل میں راضی ہو جائے۔ اوّل یہ کہ وہ اللہ کے ہر حکم پر راضی ہو اور دوسرا یہ کہ وہ اپنی تقدیر پر بھی راضی ہو جائے۔ (14)

iii۔ اللہ کے نبی ﷺ کے رسول ہونے پر رضا

اللہ کے نبی ﷺ سے رضا، کے الحاق سے مراد یہ ہے کہ: مکمل طور پر ان کی اطاعت کی جائے اس اعتبار سے کہ نبی کریم ﷺ اس کی جان پر سب سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ وہ آپ ﷺ کے فرامین ہی سے ہدایت لیتا ہے۔ وہ اپنا مقدمہ آپ ﷺ ہی کے سامنے پیش کرتا ہے۔ وہ اپنے مسائل میں آپ ﷺ ہی کو حکم بناتا ہے اور کسی اور کے فیصلہ پر کبھی بھی راضی نہیں ہوتا۔ (15)

iv۔ [اسلام کے دین ہونے] پر رضا (16)

اللہ کے دین کے ساتھ رضا یہ ہے اس کے احکام، اوامر و نواہی غرضیکہ اس کی ہر تعلیم میں راضی ہو جانا۔ یہاں تک کہ انسان کے دل میں دین کا فیصلہ تسلیم کرنے میں کوئی حرج یا تنگی پیدا نہ ہو بلکہ خود کی اللہ کے حضور مکمل سپردگی ہو، چاہے کوئی بات اس کے نفس و خواہش، اس کے امام، شیخ یا اس کے مسلک کے خلاف ہو۔ (17)

علامہ نے رضا کی حقیقت وماہیت پر بحث کرتے ہوئے اہل رضا کی مشکلات اور ان میں موجود حقیقی لذت کو واضح کیا:

اگر آپ کبھی اس مقام پر پہنچیں گے تو آپ اپنے آپ کو لوگوں کے درمیان تنہا پائیں گے سوائے ان لوگوں کے جو اس دنیا میں اجنبی ہیں۔ لہٰذا خبردار رہو اور اپنے آپ کو کبھی تنہا محسوس نہ کرو خواہ تم اس مقصد میں اکیلے رہ گئے ہو کیونکہ اللہ کی طرف سے حقیقی عزت اور طاقت ہے اور یہی اللہ اور اس کے رسول کی صحبت کی قیمت ہے اور اس کے قرب کی راحت ہے۔ یہی ہے راضی ہونا اللہ کے رب ہونے پر، حضرت محمد ﷺ کے رسول ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر۔ درحقیقت جب بھی کوئی صادق اجنبیت کے راز کو پالیتا ہے اور اس کی حلاوت کا ذائقہ اور اس کی مہک سے لطف اٹھاتا ہے تو وہ اس سے زیادہ کے لیے تڑپتا ہے خدا سے دعا کرتا ہے کہ اے خدا مجھے لوگوں سے دوری اور دنیا میں تنہائی اور اپنا قرب نصیب فرما۔ (18)

رضا کی یہ بحث کہ انسان اپنی کوشش اور تگ و دو سے رضا کو حاصل کر سکتا ہے یا پھر یہ وہبی ہے، اس مسئلہ کو علامہ نے ان الفاظ میں سمیٹا ہے۔

أَنّ الرّضا كسبيّ باعتبار سببه، وَهْبيّ باعتبار حقيقته (19)

رضا سبب کے اعتبار سے کسبی ہے اور حقیقت کے اعتبار سے وہبی۔

اس بحث کے بعد علامہ نے رضا کے حوالے سے مختلف سنہری اقوال نقل کئے ہیں۔ جن میں حکمت و دانائی کے ایسے جواہرات سموئے ہیں جن سے اہل ذوق ہی مستفید ہو سکتے ہیں:

بندے کی اللہ سے رضا اس بات کی علامت اور نتیجہ ہے کہ اللہ اس سے راضی ہے۔ اللہ کی اپنے بندے سے رضا دو انواع میں مخفی ہے: پہلی رضا یہ ہے کہ جو ضروری ہے کہ اللہ تعالی بندے سے راضی ہو اور اس کے بعد جو رضا ہے وہ اللہ کے راضی ہونے کا ثمرہ ہے۔ اسی لیے رضا اللہ کا سب سے بڑا دروازہ اور دنیا کی جنت ہے۔ (20)

ومن أعظم أسباب حصول الرّضا أن يلزم ما جعل الله رضاه فيه، فإنَّه

يوصِله إلى مقام الرضا ولا بدَّ[21]

حصول رضا کے سب سے بڑے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا رکھی ہے بندہ اس کو اپنے اوپر لازم کرلے پھر یہ اس کو مقام رضا تک پہنچادے گی۔

رضا کے اصول

انسان رضا کے مقام کو کیسے پہنچ سکتا ہے اس ضمن میں علامہ نے یحیٰی بن معاذؒ کا قول نقل کیا ہے جس میں انھوں نے مقام رضا تک پہنچنے کے چار اصول اپنانے کی تاکید فرمائی۔

قيل ليحيى بن مُعاذ رحمه الله: متى يبلغ العبد مقام الرضا؟ قال: إذا أقام نفسه على أربعة أُصول فيما يعامل به ربّه، فيقول:
إن أعطيتني قَبِلْت،
وإن منعتني رضيت،
وإن تركتني عبدت،
وإن دعوتني أجبت[22]

حضرت یحیٰی بن معاذؒ سے پوچھا گیا کہ آدمی مقام رضا تک کب پہنچتا ہے فرمایا جب وہ اپنے نفس کو چار اصولوں پر جمائے جن کے ذریعے وہ اپنے رب کے ساتھ اپنے معاملے کو استوار کرے اور کہے:

اگر تو مجھے عطا کردے تو مجھے قبول ہے۔
اور اگر کچھ نہ دے تو بھی میں راضی ہوں۔
اگر تو مجھے چھوڑ بھی دے تب بھی تیری بندگی کروں گا۔
اور اگر تو مجھے بلائے تو میں لبیک کہوں۔

علامہ نے رضا کی بحث میں ایک اور حقیقت واضح کی اور ساتھ اس کی حکمت کو بھی بیان کیا کہ رضا اور محبت کبھی بھی امید اور خوف کی طرح نہیں ہوتے۔ لکھتے ہیں:

فإن الرضا والمحبة حالان من أحوال أهل الجنة، لا يفارقان فى الدُّنيا ولا فى البَرْزَخ ولا فى الآخرة، بخلاف الخوف والرَّجاءِ فإنهما يفارقان أهل الجنَّة لحصول ما كانوا يرجونه، وأَمنِهم مّما كانوا يخافونه[23]

رضا اور محبت وہ دو احوال ہیں جو اھل جنت کے خصائص ہیں نہ تو یہ دنیا میں الگ ہوتے ہیں اور نہ برزخ میں اور نہ ہی آخرت میں۔ جبکہ اس کے خلاف خوف اور امید اہل جنت سے الگ ہوتے ہیں کیونکہ وہ جو امید کرتے ہیں وہ حاصل کر لیتے ہیں اور جن باتوں کا ان کو خوف ہوتا ہے اس سے امن حاصل کر لیتے ہیں۔

حصول رضا کا راستہ اس قدر آسان نہیں ہے اس لیے یہ بات رضا کی شرائط میں شامل بھی نہیں کہ اس راہ میں مشکلات اور تکلیفیں نہ ہوں۔ اس نکتہ کی وضاحت آپ نے درج ذیل الفاظ میں فرمائی۔

واعلم أنه ليس من شروط الرِّضا ألاَّ يحسَّ بالألم والكاره، بل ألاَّ يعترض على الحكم ولا يسخط؛ فإن وجود التَّألُّم وكراهة النَّفس لا ينافي الرِّضا، كرضا المريض بشرب الدَّواءِ الكريه، ورضا الصَّائم في اليوم الشديد الحرّ بما يناله من ألم الجوع والظمإ[24]

رضا کی شرائط میں سے یہ شرط نہیں ہے کہ اس میں میں ابتلاء و آزمائش کا احساس نہ ہو۔ بلکہ رضا یہ ہے کہ اللہ تعالی کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہ کیا جائے اور نہ ہی ناگواری ہو۔ تکلیف کا وجود اور نفس کی کراہت رضا کے منافی نہیں ہے۔ جیسے مریض کی رضا ناپسندیدہ دوا کے پینے پر اور جیسے روزہ دار کی رضا جب وہ سخت گرمی کے دن بھوک اور پیاس کی تکلیف سے دوچار ہوتا ہے۔

بحث کے آخری حصہ میں آپ نے رضا کی حقیقت سے متعلق آثار بیان کیے۔

علامہ نے پہلے ابو عثمان رحمتہ اللہ علیہ کا وہ قول نقل کیا جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "قضاء کے بعد رضا کے سوال" سے متعلق عند الاستفسار بیان کیا۔

وسئل أبو عثمان عن قول النَّبي صلَّى الله عليه وسلَّم: "أسألُك الرِّضا بعد القضاءِ" [25]: فقال: لأن الرضاء قبل القضاء عزم على الرّضا، والرّضا بعد القضاءِ هو الرضا[26]

حضرت ابو عثمانؒ سے رسول اکرم صلی وسلم کے اس ارشاد گرامی "میں تجھ سے قضا کے بعد اس پر راضی ہونے کا سوال کرتا ہوں" کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اس لیے کہ قضا سے پہلے رضا، رضا کا عزم ہے اور اس کے بعد رضا ہی حقیقی رضا ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ نے رضا کا ایک کمال درجہ بیان کیا جس میں انسان اللہ ہی کے حسن اختیار پر بھروسہ کرتا ہے۔

وقيل للحسين بن علي رضي الله عنهما: إن أبا ذرٍّ يقول: الفقر أحبُّ إليّ من الغنى، والسّقم أحبُّ إليَّ من الصحّة. فقال: رحم الله أبا ذرٍّ، أمَّا أنا فأقول: من اتَّكل على حسن اختيار الله له لم يُحِبَّ غير ما اختَارَهُ الله له[27]

حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا گیا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے مالداری کے مقابلے میں فقر زیادہ پسند ہے اور صحت کے مقابلے میں بیماری زیادہ پسند ہے آپ نے

فرمایا اللہ حضرت ابوذر پر رحم فرمائے لیکن میں کہتا ہوں جو شخص اللہ کے حسن اختیار پر بھروسہ کرتا ہے وہ صرف اسی چیز کی تمنا کرتا ہے جو اللہ اس کے لیے اختیار کرتا ہے۔

رضا سے متعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بے شک بھلائی ہی کل رضا ہے۔

وكتب عمر بن الخطّاب رضى الله عنه إلى أَبى موسى الأَشعرىِّ: أَمّا بعد، فإن الخير كلّه فى الرضا، فإن استطعت أَن ترضى وإلاَّ فاصبر[28]

حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھ بھیجا: بے شک بھلائی کل رضا ہے، اگر راضی رہنے کی طاقت رکھتے ہو تو ٹھیک ورنہ پھر صبر کرو۔

رضا کی اقسام

علامہ نے رضا کی تین قسمیں بیان کی اور تین طبقات کے ساتھ ان کو خاص کیا۔

والرِّضا ثلاثة أَقسام: رضا العوامِّ بما قسمه الله، ورضا الخواصّ بما قدَّره الله وقضاه، ورضا خواصّ الخواصّ به بدلاً عن كلِّ ما سواه[29]

رضا کی تین اقسام ہیں:

اللہ تعالیٰ کی تقسیم اور اس کی عطا پر راضی رہنا عوام کی رضا ہے۔

اس پر جو اللہ نے مقدر میں لکھ دیا اور جس کا حکم دے دیا اس سے راضی رہنا خواص کی رضا ہے۔

ہر ماسوا اللہ کے بدلے ایک اللہ سے راضی ہو جانا اخص الخواص کی رضا ہے۔

بحث میں مختلف مقامات پر کچھ ایسے اقوال ہیں جو سنہرے حروف سے لکھے جانے کے لائق ہیں یہاں علامہ کے اس ذوق کے چند شواہد درج ذیل ہیں:

الرضا اخو التوکل[30]

رضا توکل کا حصہ ہے۔

كان الرضا باب االله الأعظم، وجنة الدنيا[31]

رضا اللہ کا بڑا دروازہ ہے اور دنیا کی جنت ہے۔

ثمرة الرضا الفرح والسرور بالله تعالیٰ[32]

رضا کا ثمر اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوشی اور سرور ہے۔

الرضا: ارتفاع الجَزَع فی أيِّ حكم(33)

رضا بے چینی کا نہ ہونا ہے چاہے وہ کسی بھی حکم میں ہے۔

[الرضا]: رفع / الاختيار (34)

رضا اختیار کا اٹھ جانا ہے۔

[الرضا]: استقبال الأحكام بالفرح(35)

رضا نام ہے خوشی کے ساتھ احکام کا استقبال کرنا۔

[الرضا]: سكون القلب تحت مجاری الأحكام(36)

رضا احکام کے جاری ہونے پر دل کے سکون کا نام ہے۔

[الرضا]: نظر العبد إلى قَدَم اختيار الله تعالى للعبد(37)

اللہ نے ازل میں بندے کے لیے جو کچھ اختیار کیا اس پر بندے کی نظر کا نام رضا ہے۔

خلاصہ بحث

- علامہ فیروز آبادی نے بصائر ذوی التمیز میں قرآنیات کے مباحث کو سابقہ روایتی اسلوب سے ہٹ کر منفرد انداز میں بیان کیا۔ اسلوب کا یہ تفرد کتب علوم قرآنیہ میں بصائر کی ہی پہچان ہے۔ اس کتاب کی نمایاں خصائص میں سے ایک الفاظ قرآنیہ کے وجوہ و نظائر کا بیان ہے۔ علامہ نے ایسے ہر لفظ کو بصیرۃ کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔
- علامہ فیروز آبادی نے قرآن مجید کے متعدد الفاظ کی لغوی بحث کے ساتھ ساتھ ان کی صوفیانہ تعبیرات کو بھی موضوع بحث بنایا ہے۔ ایسے الفاظ میں سے ایک ''الرضا'' ہے جس کو بصیرۃ فی الرضا کے عنوان سے بیان کیا گیا۔
- لفظ رضا کے استحباب و وجوہ کی بحث میں علامہ فیروز آبادی نے جن مختلف اقوال سے استدلال کیا اس سے یہ واضح ہوا کہ رضا کا معاملہ استحبابی ہے نہ کہ وجوبی۔
- رضا اکتسابی ہے یا وہبی: علامہ فیروزآبادی کا میلان اس طرف ہے کہ رضا سبب کے اعتبار سے کسبی ہے اور حقیقت کے اعتبار سے وہبی۔
- علامہ فیروز آبادی نے ''ذاق طعم الایمان'' والی حدیث کو اساس مان کر مقامات دین کو رضا کے مدارج کے طور پر بیان کیا ہے۔

- علامہ فیروز آبادی نے اصول رضا کے حوالے سے یہ واضح کیا کہ یہ راستہ آسان نہیں ہے بلکہ اس کی شرائط میں یہ شامل ہے کہ اس راہ میں مشکلات اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔
- آپ کے نزدیک رضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی فیصلے پر کوئی اعتراض نہ کیا جائے اور نہ ہی کسی ناگواری کا اظہار کیا جائے مزید بر آں تکلیف کا وجود اور نفس کی کراہت رضا کے منافی نہیں ہے۔
- رضا کے حوالے سے اس اصول کو بھی واضح کر دیا کہ قضا سے پہلے رضا، رضا کا عزم ہے اور اس کے بعد رضا ہی حقیقی رضا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

1۔ داؤدی، طبقات المفسرین، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۰۶ھ، ۲: ۲۷۵ تا ۲۸۰

2۔ فیروزآبادی، محمد بن یعقوب، بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز، تحقیق الاستاذ محمد علی النجار، بیروت دارالکتب العلمیۃ، س۔ن، ۳: ۷۷

3۔ ایضاً

4۔ البقرہ، ۲: ۲۳۲

5۔ الزمر، ۳۹: ۷

6۔ الجن، ۷۲: ۲۷

7۔ النجم، ۵۳: ۲۶

8۔ مریم، ۱۹: ۵۵

9۔ بصائر، ۳: ۷۸

10۔ بصائر، ۳: ۷۸، ۷۹

11۔ احمد بن حنبل، المسند، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۲۰۰۱م، حدیث: ۱۷۷۸

12۔ بصائر، ۳: ۷۹

13۔ بصائر، ۳: ۸۰

14۔ ایضاً

15۔ بصائر، ۳: ۸۰

16۔ ایضاً، ۳: ۸۱ [اسلام کے] دین ہونے پر رضا [بصائر میں اس جگہ الفاظ "واما الرضا بنبیہ" آئے ہیں جو کہ کاتب کی غلطی محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ کے رب ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہونے، کی تفصیل بیان کرنے کے بعد پھر و اما الرضا بنبیہ ایسی تکرار ہے جس کا وہاں موقع محل نہیں بنتا اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ وہاں الفاظ [وَأَمَّا الرِّضَا بِدِينِهِ] ہی کا استعمال ہے اس نکتہ کی تائید ابن قیم کی کتاب مدارج السالکین کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے جو مذکورہ مضمون میں وارد ہوئی اور پورے اقتباس کے الفاظ بھی کم و بیش وہی ہیں جو علامہ فیروز آبادی نے اپنی کتاب بصائر میں نقل کئے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: ابن قیم، مدارج السالکین بین منازل اِیاک نعبد واِیاک نستعین، بیروت، دارالکتاب العلمیۃ، ۱۹۱۶م، ۲: ۱۷۱

17۔ ایضاً، ۳: ۸۱

18۔ ایضاً، ۳:۸۱

19۔ ایضاً

20۔ ایضاً

21۔ بصائر، ۳:۸۲

22۔ ایضاً

23۔ ایضاً

24۔ بصائر، ۳:۸۳

25۔ النسائی، السنن الکبری، کتاب السھو، باب نوع آخر، حدیث:۱۲۲۹؛ أحمد بن حنبل، المسند، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۲۰۰۱م، حدیث:۲۱٦٦٦

26۔ ایضاً

27۔ ایضاً

28۔ بصائر، ۳:۸۵

29۔ ایضاً

30۔ بصائر، ۳:۸۱

31۔ بصائر، ۳:۸۲

32۔ بصائر، ۳:۸۳

33۔ ایضاً، ۳:۸۴

34۔ ایضاً

35۔ ایضاً

36۔ ایضاً

37۔ ایضاً